



مراثی انیس میں فن کردار نگاری

The Art of Characterization In The Marsiyas of Meer Anees

ڈاکٹر طاہر نواز

اسسٹنٹ پروفیسر، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت بلتستان

Dr. Tahir Nawaz

Assistant Professor, Department of Urdu & Regional Language Karakoram International University Gilgit-Baltistan.

ڈاکٹر محمد نوید

صدر شعبہ اردو، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت بلتستان

Dr. Muhammad Naveed

Head of the Department Urdu & Regional Language Karakoram International University Gilgit-Baltistan

ABSTRACT

Marsiya is one of the most important genres of Urdu literature. Marsiya is a genre that is based on characterization. The Marsiya must have at least one character around which the fabric of the situation is formed which eventually ends with the death of the character. Meer Anees is one of the most famous Urdu Marsiya writers. In this article, effort has been made to explore and elaborate the art of characterization in the Marsiyas of Meer Anees.

KEYWORDS: Characterization, Marsiya, Meer Anees, Qualities of Character.

کلیدی الفاظ: کردار نگاری، مرثیہ، میر انیس، کردار نگاری کی خصوصیات۔

کردار فارسی زبان کا لفظ ہے جو فارسی کے دو الفاظ کر اور دار سے مل کر بنا ہے۔ کردار نگاری کے لیے متبادل انگریزی اصطلاح Characterization ہے جبکہ کردار کے لیے انگریزی میں لفظ Character استعمال کیا جاتا ہے۔ عمومی طور پر کردار سے

مراد کسی شخص کے اعمال کو لیا جاتا ہے۔ جب ہم کسی کے کردار کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد اس شخص کے تمام عادات و خصائل ہوتے ہیں۔ کردار نگاری کا لفظ افسانوی ادب سے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ فکشن میں جب کردار کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس لفظ کے مفہوم سے ہم اس کہانی میں شامل کوئی شخص مراد لیتے ہیں۔ اس مخصوص شخص کی انفرادیت کو واضح کرنا کردار نگاری کہلاتا ہے۔ یہاں کوئی شخص محض اپنی خوبیوں اور خامیوں کی بنا پر انفرادیت حاصل نہیں کرتا بلکہ اپنی زندگی کے واقعات، عادات، اعمال، سیرت، صورت، لباس غرض مختلف ذرائع سے دیگر کرداروں سے نمایاں اور ممتاز کیا جاتا ہے۔ مصنف کردار کے ظاہر میں اس کی وضع قطع، سراپا، لباس اور دیگر ثقافتی مظاہر کو بیان کرتا ہے جبکہ باطن میں اس کردار کے خیالات، افکار، نفسیات، خواب اور خواہشات کو بھی قاری کے سامنے لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کردار نگاری سے اپنے واقف لوگوں سے زیادہ عموماً اس کہانی کے کرداروں کو سمجھ اور پہچان لیتا ہے کیونکہ مصنف اس کہانی کے کردار کی زندگی کے ہر گوشے کو حسب منشا واضح کر سکتا ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے ایم ایچ ابراہمز لکھتے ہیں:

“Characters are the persons represented in a dramatic or narrative work, who are interpreted by the reader as being endowed with particular moral, intellectual, and emotional qualities by inferences from what persons say and their distinctive ways of saying.....the dialogue.....and from what they do.....the action.”^(۱)

مرثیہ وہ صنفِ سخن ہے جس کی بنیاد ہی کردار نگاری پر ہوتی ہے۔ مرثیہ کے لیے کم از کم ایک مرکزی کردار کا ہونا ضروری ہے جس کے گرد کشیدہ حالات و واقعات کا تانا بانا جاتا ہے جو بالآخر اس کردار کی موت پر ختم ہوتا ہے۔ مرثیہ چونکہ شخص مرثیہ کے مصائب و آلام اور شہادت کا بیان ہے اور مرثیہ گو کی یہ بنیادی کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ جو کیفیت اور واردات قلبی اس پر طاری ہوئی تھی وہی کیفیت غم قاری پر بھی طاری ہو اسی لیے شخص مرثیہ کی شہادت کا بیان تب ہی موثر ہو سکتا ہے جب مرثیہ میں کردار نگاری موثر ہوگی۔ جب شخص

مرثیہ کا غم قاری کو اپنا غم محسوس ہو گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ مرثیہ کسی خیالی اور ماورائی کردار کا بیان نہیں ہوتا۔ اردو مرثیہ چونکہ واقعاتِ کربلا سے منسوب ہے اس لیے مرثیہ میں کردار تخلیق نہیں کرنے پڑتے بلکہ بنے بنائے کردار کو پیش کرنا پڑتا ہے۔ فکشن میں تخلیق کار اپنے مقصد اور پلاٹ کی ضرورت کے مطابق کردار تخلیق کرتا ہے لیکن مرثیہ گو کے پاس کردار اور پلاٹ پہلے سے موجود ہیں۔ یہ کردار اور پلاٹ تاریخ کا حصہ ہیں اس لیے ان کی تشکیل میں کسی قسم کی تبدیلی یا رد و بدل کی گنجائش مرثیہ گو کے پاس نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ مرثیہ گو مذہبی عقائد اور روایات کا بھی پابند ہوتا ہے۔ مرثیہ گو نے انہیں کرداروں کو پیش کرنا ہوتا ہے جو اس تاریخی واقعے کا حصہ رہے ہیں۔ مختصر زمان و مکان اور ایک جیسے پلاٹ میں اتنی زیادہ تعداد میں کرداروں کو ایک دوسرے سے منفرد دکھانا مرثیہ گو کا کمال ہوتا ہے۔

انیس کا شمار اردو کے صفِ اول کے مرثیہ گوؤں میں ہوتا ہے۔ کردار نگاری میں انیس کو کمال حاصل ہے اور کوئی دوسرا مرثیہ گو اس میدان میں ان کے مقابل نظر نہیں آتا۔ انیس نے جس کردار کو بیان کرنے کے لیے قلم اٹھایا وہ خواہ کسی بھی عمر، مقام اور مرتبے کا کیوں نہ ہو اسے اس طرح مکمل کر کے چھوڑا ہے کہ کسی اور بات کے شامل کرنے کی گنجائش کم ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میر انیس کے کردار سب سے زیادہ متاثر کن ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں شارب رد و لوی لکھتے ہیں:

"میر انیس نے جس طرح مرثیوں میں کردار پیش کیے ہیں ان میں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ سامع اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اس کے قریب کا کوئی آدمی ہے، میر انیس کردار کو زندگی کے تقاضوں سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کے مثالی یا تاریخی ہونے کا شبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ پوری حد تک مرثیہ کے کردار کو ڈرامے کے کردار سے ملا دیتے ہیں۔ جو خوبیاں ایک ڈرامے کے کردار کے لیے ضروری ہیں اور جن کی تخلیق کے لیے ڈرامہ نگار بہت بڑی حد تک آزاد ہے انہیں خوبیوں کے ساتھ تاریخی اور مذہبی کردار کی پابندی میں رہ کر میر انیس کردار کو پیش کرتے ہیں، یہ ان کے فن کا معجزہ ہے۔" (۲)

کوئی واقعہ جامد یا ساکت نہیں ہوتا بلکہ کسی قوت یا تحریک کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پس ایسے واقعے کے بیان کے لیے ارتقائی کردار کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسے جیسے واقعات آگے بڑھتے جائیں ایسے

ایسے کردار کا ارتقا ضروری ہے۔ کیونکہ مرثیہ میں بہر حال کردار کو واقعات پر فوقیت ہوتی ہے۔ اگر کردار ارتقائی خصوصیات کا حامل نہیں ہوگا تو یقیناً واقعات اس پر حاوی ہو جائیں گے اس طرح اس کردار کا تاثر قاری پر کم ہو جائے گا۔ فکشن میں کرداری ارتقا کے لیے مناسب ماحول بہت ضروری ہوتا ہے کیونکہ ماحول ہی کرداروں کو چمکاتا اور موثر بناتا ہے۔ لیکن مرثیہ گو اس معاملے میں بھی پابند ہوتا ہے۔ وہ اپنے کرداروں کو مخصوص زمان و مکان سے باہر نہیں لے جاسکتا کیونکہ اسے بہر حال تاریخی طور پر طے شدہ ماحول میں رہنا ہوتا ہے مثال کے طور پر رزم گاہ۔ جنگ شجاعت، بہادری اور دلیری کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس صورت میں اگر کردار کو ہر وقت جنگ کے ماحول میں سرگرم دکھایا جائے تو اس کی شخصیت کے تمام پہلو سامنے نہیں آ سکتے۔ انیس نے اس پابندی سے بچنے کے لیے اور کرداروں کے تمام پہلوؤں کو بیان کرنے کے لیے مکان کو دو حصوں حرم اور رزم میں تقسیم کر دیا ہے۔ اگرچہ دیگر مرثیہ گوؤں کے ہاں بھی حرم اور رزم کا بیان ہے لیکن انیس کا یہ اختصاص ہے کہ انہوں نے حرم اور رزم کے بیانات کو مساوی تقسیم کیا ہے۔ حرم میں شخص مرثیہ کا تعلق رشتہ داروں، احباب اور اصحاب سے دکھایا گیا ہے اور ان کے ساتھ اس کی نشست و برخاست کو واضح کیا گیا ہے جبکہ رزم میں دشمنوں کے ساتھ شخص مرثیہ کے معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔

مرثیہ کو موثر بنانے کے لیے میر انیس نے فنی طور پر واقعے میں جذباتی اور تخیلاتی رنگ بھر کر اسے چھوٹے چھوٹے پلاٹ میں تقسیم کر دیا ہے۔ پھر ہر پلاٹ کی مناسبت سے کرداروں کے علیحدہ علیحدہ ایکٹ کو سامنے رکھتے ہوئے اس واقعے اور کردار کو باہم مربوط کیا ہے۔ میر انیس نے اہم کرداروں پر مرثیہ لکھے جبکہ ذیلی کرداروں کو اپنے موقع محل پر نمایاں کیا ہے۔ میر انیس نے مرد کرداروں کے ساتھ ساتھ نسوانی کرداروں کو بھی واضح کیا ہے۔ انیس کے ہر مرثیے میں مرکزی کردار کے ساتھ ساتھ بعض معاون کردار بھی سامنے آتے ہیں جو مکالمے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اس طرح مرکزی کردار کے افکار کو پیش کرنے میں انیس کو آسانی رہی ہے۔ میر انیس نے کسی نسوانی کردار پر مرثیہ نہیں لکھا لیکن انہوں نے اپنے مرثیوں میں ان نسوانی کرداروں کو اور ان کی تاریخی حیثیت کو نظر انداز بھی نہیں کیا ہے۔ میر انیس کی اسی خوبی سے متعلق صالحہ عابد حسین لکھتی ہیں:

"میر انیس کے کلام کی ایک حیرت ناک خوبی یہ ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو عموماً اور عورت کی نفسیات کو خصوصاً خوب سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی خوبی سے اس کے احساس اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کو ایسا جیتا

جاگتا کردار بنا دیتے ہیں کہ وہ ہمیں، آپ کے، اپنے، زمانے میں چلتے پھرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہدائے کربلا، حسینؑ کے رفیقوں کی شخصیت اور کردار کو اور ان کی محبت و وفا اور قربانی کی سچی داستان کو جس جس انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثال مرثیہ کے میدان ہی میں نہیں، پوری اردو شاعری میں نہیں مل سکتی۔ کردار نگاری اور جذبات کی عکاسی کا وہ بادشاہ کہا جاسکتا ہے۔ جس وقت وہ انسانی سیرت کی باریکیاں دکھاتا ہے اور جذبات کشی کرتا ہے تو شیکسپیر اور کالی داس کے دوش بدوش نظر آتا ہے۔ اور یہ دو چار کردار نہیں، ڈیڑھ سو سے زیادہ کرداروں کی سیرت کی ایسی تصویریں انیس نے کھینچی ہیں جن میں باوجود یکسانی کے انفرادیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔" (۳)

نسوانی کرداروں میں سب سے اہم کردار حضرت زینبؑ کا ہے۔ میر انیس کے کم و بیش ہر مرثیے میں یہ کردار سامنے آتا ہے۔ اس کردار کی پیش کش کی خوبصورتی یہ ہے کہ جتنی باریہ کردار مرثیوں میں سامنے آتا ہے ایک نیا انداز لیے ہوئے ہوتا ہے۔ کثرتِ تکرار کے باوجود اس کردار میں نیا پن موجود رہتا ہے۔ اس کی مثال میر انیس کے مختلف مرثیوں میں سے دیکھیے جن میں یہ کردار مختلف صورتوں اور رشتوں میں دکھایا گیا ہے اور ہر منظر میں اپنی مکمل شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے۔ ایک مرثیے میں جب عون و محمد علم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تو اس وقت حضرت زینبؑ کا اپنے بیٹوں کے ساتھ تنہی انداز:

زینب نے تب کہا تمہیں اس سے کیا ہے کیا دخل مجھ کو، مالک و مختار ہیں امام
دیکھو! نہ کیجیو بے ادبا نہ کوئی کلام! بگڑوں گی میں جو لوگے زبان سے علم کا

لو، جاؤ! بس کھڑے ہوا لگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے تم یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے؟

(جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے)

انیس نے حضرت زینبؑ کے کردار کو بلا واسطہ ہی مرثیے میں پیش نہیں کیا بلکہ جہاں ضرورت محسوس کی اسے بالواسطہ بھی پیش کیا ہے۔ حضرت علی اکبرؑ اور عون و محمد کی شہادت کے بعد حضرت زینبؑ کی حالت کا بیان حضرت حسینؑ کی زبان سے جبکہ اس مقام پر حضرت زینبؑ کو غائب کردار کے پر پیش کیا گیا ہے:

زینب کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بے کس و ناچار
تہا ہیں کہ بے جان ہوئے دو چاند سے دل دنیا سے گیا اکبر ناشاد سا غم خوار

بیٹے بھی نہیں، گود کا پالا بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

(یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر)

"آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے" انیس کا ایک اہم مرثیہ ہے۔ اس مختصر مرثیے کا موضوع اسیرانِ کربلا کی شام آمد اور دربار میں پیشی ہے۔ حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد قافلہٴ حسینی کی نگہداشت کی ذمہ داری حضرت زینبؑ کے حصے میں آئی تھی۔ اسی لیے اس مرثیے میں وہی اہم ترین کردار ہیں۔ اس مرثیے میں وہ جرات، شجاعت، مزاحمت، شعورِ ذات کا مظہر ہیں اور ان کی شخصیت بالکل ایک نئے روپ میں سامنے آتی ہے:

سن کر یہ آگیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال تھر تھرا کر کہا، کیا بکتا ہے اوبد اقبال!
صاحبِ عزت و توقیر محمد ﷺ کی آل کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا

ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں، خدا کس کی ثنا کرتا ہے؟

(آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے)

دربارِ شام میں قافلہٴ حسینیؑ کی سالار حضرت زینبؑ تھیں۔ دربار میں صبر، استقامت، ہمت، جرات، شجاعت اس کردار کا تقاضا تھا اس لیے اس مرثیے میں حضرت زینبؑ کے کردار میں یہ تمام خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ لیکن یہی کردار جب قید و بند کی صعوبتوں کے بعد مدینہ واپس اپنے گھر پہنچتا ہے تو وہ رنج اور کرب جو دربارِ شام میں غائب تھا ایک بار پھر سے اس کردار میں پلٹ آتا ہے۔ نسوانی کردار نے جو مخالفین کے سامنے صبر و استقامت کا بند باندھا ہوا تھا اپنے گھر واپس لوٹ آنے پر وہ ایک دم سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس بند میں حضرت زینبؑ کے کردار کے ایکٹ اور منظر نگاری کو میر انیس نے درجہ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

زینبِ خستہ جگر، خواہرِ شاہِ ذی جاہ در مسجد یہ جو روتی ہوئی پہنچی ناگاہ
اُس گھڑی اور بھی صدمے سے ہوا حال سر کو ٹکرا کے دل زار سے کھینچی اک آہ

تھا یہ مشکل کہ کیجے کو وہ خوش خوش تھا

غش جو آنے لگا، دروازے کے بازو تھامے

(جب حرم مقتل سرور سے وطن میں آئے)

مرثیہ گو کی اولین ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ کردار کو اس طرح پیش کرے جو زندگی سے قریب معلوم ہونہ کہ زندگی سے ماورا اور مافوق الفطرت۔ یعنی کردار کو ایسے پیش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ بالکل مثالی معلوم ہو۔ کردار کسی عہد، معاشرے اور مزاج کی عکاسی کرتا ہو۔ کردار جیتنا جاگتا اور جذبات کا حامل ہو۔ وہ نفرت اور محبت کرتا ہو، چلتا پھرتا ہو، ہنستا روتا ہو۔ ان جذبات اور اعمال کا اظہار فطری ہونا ضروری ہے تاکہ قاری کو یہ جذبات بیگانہ محسوس نہ ہوں۔ تب ہی ایسے کردار کا دکھ قاری کو اپنا دکھ اور اسی کی خوشی اپنی خوشی محسوس ہوگی۔ کردار نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر کا یہ کہنا "میرے خیال میں کردار نگاری کی انتہا یہ ہے کہ قاری کردار کے ساتھ اپنی ذات کی تطبیق کر لے۔" (۴) بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ میر انیس کی کردار نگاری کا یہی خاصا ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو زندگی سے معمور کر دیتے ہیں۔ میر انیس کی اس خصوصیت سے متعلق سید مرتضیٰ حسین لکھنؤی نے لکھا ہے کہ:

"میر انیس نے اعلیٰ انسانی اقدار، ایثار و جاں فشانی میں خواتین کی بلند نگاہی، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں میں ایک ہی جذبے کی فراوانی اور ہر ایک کی جرات کے تقابلی مطالعے کا اثر انگیز نقش بٹھایا ہے۔ جو کردار سامنے آتے ہیں وہ از اول تا آخر فطری اور عقلی لحاظ سے دل کش ہیں۔ معجز نما، غیر عادی اور جناتی نہیں ہیں۔ مردانہ زبان یا نسوانی لہجہ میں خوشی، غم اور شدت جذبات دکھانے کے لیے جس شدت اظہار کی ضرورت تھی، انیس نے ادب و شعر کو وہی پیرایہ دے کر فکر و فن کو عظمت بخشی ہے۔" (۵)

اردو مرثیے کے دو اہم ترین کرداروں میں حضرت حسینؑ اور حضرت علی اکبرؑ ہیں۔ ان دونوں کرداروں کا آپس میں باپ اور بیٹے کا تعلق ہے۔ جوان سال بیٹے کا اپنے باپ سے ایک ایسی جنگ کی اجازت طلب کرنا جس کا انجام شہادت ہو کے واقعے کا بیان جذبات سے معمور ہے۔

میر انیس نے اس موقع پر باپ اور بیٹے کی جو کردار نگاری کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملاحظہ ہو:

بہر رسول ﷺ رن کی رضا دیجیے مجھے صدقہ علیؑ کا اذن و غا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام، جلا دیجیے مجھے یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبر! نثار ہو

(جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے)

حضرت علی اکبرؑ کی جنگ کی اجازت کی درخواست پر جنابِ حسینؑ کا جواب جو شفقتِ پدری سے بھرپور ہے۔ اس جواب میں حضرت حسینؑ کی بے کسی، مجبوری، شفقتِ پدری اور ایک باپ کی دل کی کسک جو پوری طرح محسوس کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند، ذوالجلال ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوں ہی کرتا وہ جب تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصت
کیا جانے وہ مزا جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو، تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

(جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے)

مرثیہ گوئی میں عمدہ کردار نگاری کے لیے لازم ہے کہ جس شخص کی سیرت کا بیان کیا جائے اس کی ساری امتیازی خصوصیات ہر جگہ برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن یہ احتیاط بھی لازم ہے کہ ان امتیازی خصوصیات کے ساتھ کردار کو بالکل مثالی ہی نہ بنادیا جائے اور نہ ہی اس کردار میں خصوصیات اتنی کم ہوں کہ وہ مخالف سے کم تر محسوس ہو۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ وہ اپنے محبوب شخص کو برتر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کردار کو ابتدا میں جس طرح پیش کیا جائے آخر تک اس میں کمی نہیں آنی چاہیے بلکہ اس میں اضافہ ہونا چاہیے۔ شخصِ مرثیہ کے اعمال اور اقوال میں کہیں ایسا تضاد یا تناقض نہ پیدا ہونے دیا جائے جو اس کے کردار کے منافی ہو۔ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کردار نگاری کے سارے اجزاء طبعی اور نفسیاتی تقاضوں کے مطابق ہوں اور یہ ظاہر نہ ہو کہ کوئی کردار جان بوجھ کر کسی خاص انداز سے زبردستی سامنے لایا جا رہا ہے۔ میر انیس کی کردار نگاری کا یہی خاصا ہے کہ انہوں نے

ان تمام لوازمات کا خیال رکھا ہے جس کی بدولت اردو مرثیہ میں ایک ہی طرح کے کردار ہونے کے باوجود ان کے کردار دیگر مرثیہ نگاروں کے مقابلے میں زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"کردار نگاری کے یہ اوصاف میر انیس کے یہاں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ مرثیوں میں ایک دو نہیں متعدد کردار سامنے آتے ہیں۔۔۔۔۔ انہوں نے ہر کردار کی عمر، منصب، مزاج، کمالات، عادات، اور ذاتی خصوصیات و امتیازات کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور انہیں ماحول کی مناسبت سے اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی انفرادی شان بہر حال برقرار رہتی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ یہ کردار صرف ایک جگہ آئے ہوں۔ بار بار اور جگہ جگہ آئے ہیں۔ میر انیس نے ہر جگہ ان کی سیرت پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن کہیں کوئی ایسی بات یا واقعہ نہیں ملتا جو کسی کردار کے پچھلے واقعہ یا بات کی تکذیب کرتا ہو۔" (۶)

انیس نے ایک مرثیہ میں حضرت حسینؑ کی میدانِ جنگ میں آمد اور ان کا تعارف کچھ یوں کروایا ہے:

جانبا ز نے طے کی عجب انداز سے وہ راہ لے آئی سلیمان کو پری تاصفِ جنگاہ
وہ رعب، وہ شوکت، وہ نہیبِ شہِ ذی جاہ دلدل کو اڑاتے ہوئے آئے اسد اللہ

غل تھا یہ محمد ﷺ ہیں، کہ خالق کے ولی ہیں
اقبال پکارا، کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں!

(یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر)

میدانِ جنگ میں آمد کے بعد مرثیے کا اگلا جزر جز کا ہوتا ہے۔ رجز میں ہر حال میں شخص مرثیہ کو مخالفین پر حسب و نسب اور اکتسابی خصائص کی برتری ثابت کرنا ہوتی ہے۔ کیونکہ رجز عملی جنگ سے پہلے کلامی جنگ ہوتی ہے جس میں شخص مرثیہ کا جیتنا ضروری ہوتا ہے۔ مرثیے کے اس حصے میں شخص مرثیہ کے لہجے میں طنطنہ اور رعب و جلال ہوتا ہے۔ ایک اور مرثیہ میں انیس نے حضرت حسینؑ کا تعارف کچھ یوں کروایا ہے جو درج بالا بند سے بڑھ کر ہے۔ خاص طور

پر اس بند کا چوتھا مصرعہ جس میں حضرت حسینؑ کے حسب و نسب دونوں سامنے آجاتے ہیں۔
ملاحظہ ہو:

اس کا پیارا ہوں جو ہے ساقی حوض کوثر اس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتح باب خیبر
اس کا فرزند ہوں، کی جس نے مہم بدر کی اس کا دل برہوں میں، دی جس کو نبی

صاحب تخت ہوئے، تنغ ملی، تاج ملا
دوش احمد ﷺ یہ انھیں رتبہ معراج ملا

(نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری)

جنگ قتل و غارت گری کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ جنگ کا اختتام مخالف کے مارے جانے پر یا پھر اس کے مفتوح ہو جانے پر ہی ہوتا ہے۔ حضرت حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی اس لیے آپ کے پاس دو راستے تھے یا تو ہار تسلیم کر لیں یا پھر جرات و استقامت کا مظاہرہ کریں۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں نے جرات و استقامت کا راستہ اختیار کیا۔ دورانِ جنگ کردار کی جرات، شجاعت، استقامت اسے دیگر کرداروں سے نمایاں کرتی ہے۔ ہزاروں لشکریوں میں بھی بے خوف لڑنا ہی کردار کی شجاعت کی دلیل ہوتی ہے۔ انیس نے حضرت حسینؑ کے تعارف میں جو بیان کیا ہے اب اس کردار کے لیے ضروری ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں وہ جو ہر دکھائے جو اس کے کردار کو درجہ کمال تک پہنچا دیں۔ انیس کے ایک اور مرثیے میں جنگ کرتے ہوئے حضرت حسینؑ کا کردار مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ حضرت حسینؑ سے متعلق انیس کے یہ بند ان کے دو علیحدہ مرثیوں سے ہیں اور مختلف واقعات کے حوالے سے ہیں لیکن ان میں ایک تسلسل ہے۔ خاص بات یہ بھی ہے کہ انیس کے ان تینوں بندوں میں حضرت علیؑ کا ذکر بھی ملتا ہے یعنی حضرت حسینؑ کی شجاعت کی مثال میں موازنے کے لیے حضرت علیؑ کے کردار کو غائب کردار کے طور پر لایا گیا ہے جن کی شجاعت عالم اسلام میں مسلمہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

اس صف سے گئے، بیچ سے اس غول کے جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تنغ دو سر تول کے نکلے گویا در خیبر کو علیؑ کھول کے نکلے

اک زلزلہ تھا نہ فلک و ہفت طبق کو
(یارب چمن نظم ہر بار الٹ دیتے تھے لشکر کے ورق کو کو گلزارِ ارم کر)

انیس کا خاصا یہ ہے کہ وہ کردار کی جو صفات ابتدا میں بیان کرتے ہیں آئندہ آمدہ واقعات میں وہ کردار سے ان کے مطابق عمل بھی کرواتے ہیں۔ اس سے نہ صرف ایک تسلسل قائم رہتا ہے بلکہ قاری یا سامع ان صفات کو عملی طور پر کردار کے ایکشن میں بھی دیکھ لیتا ہے۔ انیس نے حضرت حسینؑ کے تعارف میں ان کا جو حسب و نسب بیان کیا ہے اس میں ایک تو حضرت علیؑ کی شجاعت ہے جس کے ضمن میں درج بالا بند آچکا ہے۔ دونوں تعارفی بندوں میں حضرت محمد ﷺ کا نام بھی آیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی خاص الخاص صفت رحمت اللعالمین کی ہے۔ اب ایک طرف جنگ شجاعت اور قتال کا تقاضا کرتی ہے جبکہ جسی تعلق رحمت اور درگزر کا۔ یہ بند ملاحظہ ہو:

لڑتے تھے، مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی
نانا کی طرح خاطر امت تھی زیادہ بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ

تلوار نہ ماری، جسے منھ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے، جسے دم توڑتے دیکھا

(یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر)

انیس کی کردار نگاری کی خاصیت ان کی نازک خیالی ہے۔ کس کردار کے ساتھ کون سی بات منسوب کرنی ہے اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کسی شخص کے نزع کے عالم میں اگر اس کے پاس کوئی موجود ہو تو اس کی عموماً یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس شخص کا چہرہ قبلہ رو کر دیا جائے اور عموماً اس شخص کی روح کی آسان پرواز کے لیے سورۃ یسین بھی تلاوت کی جاتی ہے۔ ان دونوں اعمال کا تعلق اس شخص کی بخشش سے بھی سمجھا جاتا ہے۔ حضرت حرؑ ایک ایسا کردار ہیں جو فوجِ اشقیاء کو چھوڑ کر حضرت حسینؑ کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ حضرت حرؑ اس دستے کے بھی سالار تھے جو مقامِ ذی حشم سے حضرت حسینؑ کے قافلے کو میدانِ کربلا میں لے کر آئے تھے۔ یہی احساسِ ندامت حضرت حرؑ کو فوجِ اشقیاء چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے اور یہ احساسِ وقتِ شہادت تک ساتھ رہتا ہے۔ چہرے کا رخ قبلہ کی طرف پھیرنا یا پھر وقتِ شہادت سورۃ یسین کا پڑھنا انیس نے کسی اور کردار کے لیے استعمال نہیں کیا۔ انسانی جسم میں خون کے بہہ جانے سے جب فشارِ خون میں واضح کمی آ جاتی ہے تو انسان پر غنودگی طاری ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ٹھنڈک کا احساس بھی ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں زخمی ہونے کے بعد حضرت حرؑ

کی بھی یہی کیفیت تھی جس کو انیس نے خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے خیال کی عمدگی اس بند میں ملاحظہ ہو:

قبلہ رُو کیجیے لاشہ مرا، اے قبلہ دیں! پڑھیے لیمن کہ اب ہے یہ دم باز پسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین! لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزین
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اوڑھا دیجیے مولا! مجھے نیند آتی ہے

(بہ خدا فارس میدانِ تہور تھا خر)

انیس کرداروں کی صفات کے بیان میں انہیں مافوق الفطرت نہیں بنا دیتے بلکہ انہیں وہی صفات عطا کرتے ہیں جو ایک انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ماورائی خصوصیات کردار کے قد کاٹھ میں کچھ اضافہ نہیں کرتیں بلکہ اسے حقیقت سے دور لے جاتی ہیں۔ ماورائی صفات وہاں کام آتی ہیں جہاں انجامِ طریقہ ہو۔ المیہ میں ماورائی صفات اس کردار کے لیے قدغن کا باعث بنتی ہیں کیونکہ قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جب کردار ان ماورائی صفات کا حامل تھا اور ایسا کرنا اس کے لیے ممکن تھا تو پھر اس نے ایسا کیا کیوں نہیں۔ پس کامیاب المیہ کے لیے ضروری ہے کہ کرداروں کو حتیٰ الامکان حقیقت سے قریب رکھا جائے۔ اگرچہ مرثیے میں مبالغے کی گنجائش بھی موجود ہوتی ہے اور انیس نے بھی اس کو برتا ہے لیکن کردار نگاری کے معاملے میں وہ حقیقت نگاری سے ہی کام لیتے رہے ہیں۔ حضرت عباسؑ کے کردار کے بارے میں انیس کا یہ بند ملاحظہ ہو جس میں ایک بھی صفت ایسی بیان نہیں گئی جو ان میں موجود نہ ہو اور جو انسانی نہ ہو۔ اس ایک بند سے حضرت عباسؑ کی شخصیت کے کتنے ہی پہلو قاری کے سامنے آ جاتے ہیں:

عاشق، غلام، خادمِ دیرینہ، جاں نثار فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
راحت رساں، مطیع، نمودار، نام دار جرار، یادگارِ پدر، فخر روزگار

صفا ہے، شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے
بے مثل سینکڑوں میں، ہزاروں میں ایک ہے

(جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے)

ابتدا میں مرثیہ کا مفہوم صرف بین و بکا تھا اس لیے بین کے مضامین میں جہاں نسوانی کرداروں کی اہمیت ہوتی ہے وہیں تاثر اور سوز و گداز پیدا کرنے کے لیے اور رحم کے جذبات ابھارنے

کے لیے مرثیہ کے واقعات میں بچوں کی اہمیت مسلم الثبوت رہی ہے۔ اردو مرثیہ نگاروں نے حضرت حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کی بے کسی دکھانے کے لیے جہاں خواتین کو شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں کی لاشوں پر گریہ کننا دکھایا ہے وہیں معصوم بچوں کو کربلا کے بے آب و گیاہ صحرا میں بھوک و پیاس سے تڑپتے ہوئے بھی پیش کیا ہے۔ مرثیہ گو جہاں بے کس اور بے سہارا خواتین کی بے ردائی کے مناظر سامنے لائے ہیں وہیں معصوم بچوں کی یتیمی سے سوز و گداز کے مضامین بھی پیدا کیے ہیں۔ لیکن اس کے لیے خاص سلیقہ اور نزاکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر بچوں کی نفسیات اور ان کے ایکشن کو اس طرح پیش کرنا چاہیے کہ ان میں کسی طرح کی کجی نہ رہنے پائے۔ اس طرح کے کرداروں کو اس خاص سلیقے سے پیش کرنا انیس کا ہی کام ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر میمونہ انصاری لکھتی ہیں۔

"مرثیہ بنیادی طور پر گریہ کے تحرک کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ میر انیس نے اس تقاضے سے پہلو تہی نہیں کی۔ لیکن اس ضمن میں انہوں نے سلیقہ، نزاکت اور لطافت کو پیش نظر رکھا۔ جذبات انسانی کی یہ عکاسی اور نفسیات کے نوبہ نو پہلوئوں پر انہوں نے زور دیا ہے۔ اسی خوبی نے ان کے کرداروں کو شیکسپیرین ٹریجڈی کے کرداروں کا حریف بنادیا ہے۔" (۷)

واقعات کربلا میں بچوں کے کرداروں میں نمائندہ کردار حضرت سکینہؑ کا ہے۔ انیس کے متعدد مرثیوں میں اس کردار کا ذکر ملتا ہے۔ انیس نے حضرت سکینہؑ کے کردار میں ان کی بے کسی اور لاچارگی سے رحم کے وہ جذبات ابھارے ہیں کہ پتھر دل بھی پانی ہو جائے۔ حضرت سکینہؑ کا حال سفر شام میں اس بند سے ملاحظہ ہو:

ہے اسی رسی میں ننھا سا سکینہ کا گلو دم گھٹا جاتا ہے، آنکھوں سے رواں ہیں
چاک گرتے کا گریباں ہے، پریشاں گیسو سو جے تو گال ہیں، کانوں سے ٹپکتا ہے لہو

آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گھڑکتے ہیں ستم گر تو دہل جاتی ہے

(آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے)

بچوں میں ایک خاص بات ان کا ہر چیز سے متعلق تجسس ہوتا ہے۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز سے متعلق سوال کرتے ہیں اور اس سوال میں بھی بھول پن ہوتا ہے۔ بچے کا سب سے زیادہ تعلق ماں سے ہوتا ہے اس لیے سب سے زیادہ سوال بھی ماں سے ہی کیے جاتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت حضرت سکینہؑ کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی ہے کس کا دربار ہے، اس حال سے جاتی ہو
یہ تو کہہ دو، کہیں بابا بھی ملیں گے اماں؟ کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں

بھول جائے گا یہ سب دکھ، جو انھیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

(آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے)

مرثیہ اور مرثیہ گوئی کامیابی کا دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ کرداروں کو پیش کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا ہے۔ کوئی بھی مرثیہ گو اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ جذبات نگاری، کردار نگاری اور واقعہ نگاری میں مہارت نہ رکھتا ہو۔ لیکن مرثیہ میں جذبات نگاری اور واقعہ نگاری کی کامیابی کا انحصار بھی زیادہ تر کردار نگاری پر ہی ہوتا ہے۔ جذبے کا فطری اظہار اور واقعے کی حقیقی ترجمانی کامیاب کردار نگاری کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں جذبہ یا فلاں واقعہ بڑی خوبصورتی سے حقیقی رنگ میں بیان کیا گیا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ جس کردار سے اس جذبے یا واقعے کا تعلق ہے وہ نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ انیس نے اپنے مرثیوں میں کردار نگاری کو اسی خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ کرداروں کے لباس، فطرت، اطوار، خلق و مروت، شجاعت اور شہادت کے بیان کو جاودانی عطا کی ہے۔

انیس نے مرثیہ کے کرداروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حسین گروہ ہے جس کے کرداروں میں حضرت حسینؑ، عباسؑ، مسلم بن عقیلؑ، سجادؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، قاسمؑ، عبداللہؑ، عونؑ و محمدؑ، حبیب ابن مظاہرؑ، حرؑ، اور اسی گروہ کے نسوانی کرداروں میں حضرت زینبؑ، ام کلثومؑ، فاطمہ کبریٰؑ، فاطمہ صغریٰؑ، سکینہؑ، ام البنینؑ، ام لیلیٰؑ، شہر بانوؑ اور فضہؑ، زیادہ اہم ہیں۔ دوسرا یزیدی گروہ ہے جس کے کرداروں میں یزیدؑ، عمر ابن سعدؑ، شمر ذی الجوشنؑ، حسین ابن نمیرؑ، حرمہ بن کاہلؑ، اسدیؑ، خولیؑ، ارزقؑ اور جمالؑ زیادہ اہم ہیں۔ گروہ حسینی کے کرداروں میں خدا شناسی، خود شناسی، عقیدہ اور ایمان، دیانت اور شرافت، حق گوئی اور حق پرستی، ایثار و

قربانی، شجاعت و جانبازی، وفا اور جانثاری، صبر و استقلال، رشتوں کی پاسداری، راضی بہ رضا رہنے کا حوصلہ، خلوص و محبت اور حق کی راہ میں جان دینے کے جذبے جیسی اخلاقی اقدار ان کی سیرت کا حصہ ہیں۔ یزیدی گروہ کے کرداروں میں بد طینتی، شقاوت، بے حمیت، حرص اور بے رحمی جیسی خصلتیں پائی جاتی ہیں جو انہیں بد نما بناتی ہیں۔ میر انیس کے کرداروں میں رشتوں کے اعتبار سے ماں، بہن، بیٹی، بہو، ساس، نند، ملازمہ، باپ، بھائی، بیٹے، بھانجے، دوست، احباب، عقیدت مند سبھی موجود ہیں مگر ان میں ہر ایک کردار کا اپنا الگ رنگ اور روپ ہے۔ انیس کے کرداروں کا یہ رنگ اور روپ اتنا پختہ ہوتا ہے کہ ان کے لہجے سے ہی اس کردار کی پہچان ہو جاتی ہے کہ کون سا کردار بول رہا ہے۔ پس جس طرح اردو مرثیے میں زبان و بیان کے حوالے سے انیس اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے اسی طرح اردو مرثیہ میں کردار نگاری کے حوالے سے بھی کوئی انیس کے ہم پلہ نہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ M.H.Abrams, A glossary of literary terms, Earl Mcpeek, United State of America, 1999,P33
- ۲۔ شارب ردولوی، مراٹھی انیس میں ڈرامائی عناصر، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، سن ندارد، ص ۴۴
- ۳۔ صالحہ عابد حسین، میر انیس سے تعارف، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۷۵، ص ۱۸
- ۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، داستان اور ناول، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱، ص ۳۷
- ۵۔ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤی، سید، منتخب مراٹھی انیس، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۰، ص ۳۰
- ۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، میر انیس حیات اور شاعری، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۶، ص ۱۵۲
- ۷۔ میمونہ انصاری، ڈاکٹر، میر انیس کے مرثیوں میں زنانہ کردار، مشمولہ سیب، میر انیس نمبر، شمارہ ۲۲، ۱۹۷۲، ص ۲۶۲